ISSN: 2959-2224 (Online) and 2959-2216 (Print)
Open Access: https://journals.iub.edu.pk/index.php/uas/index
Publisher by: Department of Hadith, The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan.

توحید بطور محرک حیات: اقبال کے فکری اور ادبی شعور کا جائزہ

Monotheism as the Motivator of Life: A Review of Iqbal's Intellectual and Literary Consciousness

Farooq Ahmad*
M.Phil Scholar, Dept. of Urdu, Superior University Faisal Abad
Email: farooqahmad9593@gmail.com

Dr. Azim Ullah Jundran
Assistant Professor, Dept. of Urdu, Superior University Faisal Abad
Email: aujundran@gmail.com

Abstract

This article explores the central role of *Tawheed* (the concept of monotheism) in shaping the philosophical and poetic vision of Allama Muhammad Iqbal. For Iqbal, *Tawheed* is not merely a theological doctrine but a dynamic and revolutionary force that breathes vitality into the individual and the collective Muslim identity. The paper traces the roots of Iqbal's concept of *Tawheed* in his spiritual upbringing and Qur'anic reflection, distancing it from speculative theology and pantheistic mysticism. It examines how *Tawheed* informs his notions of *Khudi* (selfhood), spiritual freedom, political unity, and intellectual awakening. The study reveals that Iqbal's poetry is a poetic manifesto of *Tawheed*, invoking moral empowerment, cultural resistance, and existential purpose. Furthermore, the article assesses the impact of *Tawheed* on Iqbal's aesthetics, historical vision, and his critique of both materialism and passive mysticism. By embedding *Tawheed* into the heart of his poetic and philosophical discourse, Iqbal offers a holistic worldview where belief, action, creativity, and human dignity converge under the banner of divine unity.

Keywords: Allama Iqbal, Tawheed, Monotheism, Khudi, Islamic Philosophy, Muslim Identity, Islamic Unity, Spirituality in Poetry, Quranic Thought, Anti-pantheism, Iqbal's Aesthetics, Political Theology, Action Philosophy, Islamic Revival

علامہ محمد اقبال کے فکری اور شعری نظام میں تصورِ توحید کو مرکزی اور کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ یہ محض ایک مذہبی عقیدہ نہیں، بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیات، ایک انقلابی قوت اور ان کے تمام فلسفیانہ افکار کا سنگِ بنیاد ہے۔ اقبال کی فکر کا کوئی بھی گوشہ، خواہ وہ فلسفۂ خودی ہو، تصورِ مردِ مومن ہو، یا اجتماعی و سیاسی نظریات، توحید کے طاقتور اور فعال تصور سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے نزدیک توحید ہی وہ مرکز ہے جو فرد اور ملت کی زندگی کو معنویت، استحکام اور حرکت عطا کرتا ہے۔ اقبال کے اس تصور کی جڑیں ان

---

* Email of corresponding author: farooqahmad9593@gmail.com

کی ابتدائی زندگی اور تربیت میں پیوست ہیں۔ ان کے والدین کا خالص مذہبی اور روحانی ماحول، ان کی خدا ترسی اور محبتِ رسول ﷺ نے اقبال کے لاشعور میں توحید کی عظمت نقش کر دی۔ ان کے والد کا بچپن میں دیا گیا یہ مشورہ کہ قرآن کو اس طرح پڑھو جیسے وہ تم پر ہی نازل ہو رہا ہے، دراصل اقبال کے لیے ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ ایک ذاتی، زندہ اور براہِ راست تعلق کی بنیاد بن گیا۔[1]

اقبال کا تصورِ توحید کسی فلسفیانہ موشگافی یا متکلمانہ بحث کا نتیجہ نہیں، بلکہ اس کا منبع خالصتاً قرآن و سنت ہے۔ انہوں نے یورپ میں قیام کے دوران مغربی فکر و فلسفہ کا گہرا مطالعہ کیا، لیکن اس کی چکاچوند ان کے ایمان کو متزلزل نہ کر سکی، بلکہ اس تجربے نے ان کے قرآنی عقائد کو مزید پختگی اور جلا بخشی۔ وہ خود اس تجربے کا خلاصہ بیان کرتے ہیں:

خیرہ نہ کر سکا مجھے ، جلوۂ دانشِ فرنگ

سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف [2]

یہ شعر اس امر کا غماز ہے کہ اقبال کے لیے ایمان کی روشنی ہر قسم کی مادی اور عقلی دانش پر فوقیت رکھتی ہے۔ ان کا خدا ایک فعال، شخصی، خالق اور قادرِ مطلق ہستی ہے جو کائنات کے نظام کو چلا رہی ہے۔ یہ تصور انہیں وحدت الوجود کے اس روایتی صوفیانہ نظریے سے ممتاز کرتا ہے جس میں کائنات اور خالق کے وجود کو ایک ہی سمجھا جاتا ہے اور فرد کی ہستی کو بحرِ بیکراں میں ایک قطرے کی مانند فنا ہو جانے پر محمول کیا جاتا ہے۔

یقین، تقویٰ اور خدا پر کامل بھروسا، یہ وہ صفات تھیں جن کے باعث اقبال کی شخصیت ایک بلند روحانی مرتبے پر فائز نظر آتی ہے۔ یہ مقام ہر کسی کو میسر نہیں آتا۔ اقبال کی سیرت کا مطالعہ ہمیں یہ باور کراتا ہے کہ وہ محض فلسفی یا شاعر نہ تھے بلکہ ایک کامل متوکل انسان بھی تھے، جنھوں نے اپنی زندگی کے ہر مرحلے میں خدا کی رضا کو مقدم رکھا۔ ان کی شخصیت میں ایک خاص سکون اور اعتماد دکھائی دیتا ہے جو صرف اس شخص کو نصیب ہوتا ہے جو خود کو مکمل طور پر خدا کے سپرد کر چکا ہو۔ ذاتی الجھنیں، وقتی مسائل یا خارجی دباؤ کچھ بھی اقبال کو متزلزل نہ کر سکا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ تقدیر کے فیصلے انسانی تدابیر سے بالاتر ہوتے ہیں۔ اقبال خود اپنے طرزِ عمل کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "میں عام طور پر کسی کام کے کرنے کے لیے پہلے ارادہ کرتا ہوں، اور پھر اپنے آپ کو حالات کے حوالے کر دیتا ہوں اور انھیں اجازت دیتا ہوں کہ وہ مجھے جہاں چاہیں لے جائیں۔"[3]

یہ اس فکری جرات، روحانی یکسوئی اور خالص توکّل کا اظہار ہے جو اقبال کے نظریات اور طرزِ زندگی کی بنیاد تھی۔ اقبال کے ابتدائی کلام میں وحدت الوجود کے اثرات ضرور ملتے ہیں، لیکن اپنے فکری ارتقاء کے بعد انہوں نے اس تصور کو امتِ مسلمہ کے لیے فکری جمود اور عملی انحطاط کا سبب قرار دیا۔ ان کے نزدیک یہ تصور انسان کی انفرادی ہستی اور خودی کی نفی کرتا ہے، جبکہ قرآنی توحید انسان کو اپنی ذات کا اثبات سکھاتی ہے۔ وہ قطرے کو دریا میں فنا ہونے کا درس نہیں دیتے، بلکہ اسے اپنی خودی کو مستحکم کر کے گوہرِ نایاب بننے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک عبد اور معبود کا رشتہ عبدیت کا ہے، عینیت کا نہیں۔ عبد کی معراج اپنی بندگی کے مقام کو پہچاننے میں ہے، نہ کہ خدا کی خدائی میں ضم ہو جانے میں۔ وہ کہتے ہیں:

مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

اقبال کے نزدیک توحید کا حقیقی مفہوم "کثرت" کے مقابلے میں "وحدت" کا سوال پیدا نہیں کرتا، بلکہ یہ "شرک" کی مکمل نفی کا نام ہے۔ یہ تصور انسان کو خدائے واحد کے سوا ہر جھوٹے خدا، ہر قسم کے خوف، ہر جبر اور ہر وہم سے آزاد کرتا ہے۔ "لا الہ" کی شمشیر سے تمام باطل معبودوں کی نفی کرنے کے بعد ہی "اِلّا اللہ" کا اثبات ہوتا ہے، اور یہی وہ نکتہ ہے جہاں سے اقبال کے فلسفۂ خودی کا آغاز ہوتا ہے۔ جب انسان غیر اللہ کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیتا ہے تو اس کی اپنی ذات، اس کی خودی بیدار اور مستحکم ہو جاتی ہے۔ یہ توحید ہی ہے جو انسان کو محض ایک مجبور اور بے بس مخلوق کے بجائے ایک صاحبِ اختیار ہستی کے طور پر پیش کرتی ہے جو تسخیرِ کائنات کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یوں اقبال کا تصورِ توحید محض ایک مابعد الطبیعیاتی عقیدہ نہیں رہتا، بلکہ فرد اور معاشرے کے لیے ایک فعال، انقلابی اور زندگی بخش قوت بن جاتا ہے جو انہیں غلامی، خوف اور بے عملی کی زنجیروں سے نجات دلاتا ہے۔

اقبال کا تصورِ توحید ایک ایسی ناقابلِ شکست چٹان کی مانند ہے جسے کوئی طوفان ہلا نہیں سکتا۔ ان کے عقیدے کی جڑیں اس قدر گہری اور مضبوط ہیں کہ دنیا کی کوئی فکری یا فلسفیانہ لہر ان میں لغزش پیدا نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے ہر اس نظریے، فکر اور تحریک کے خلاف آواز بلند کی جو اس خالص اور یگانہ تصورِ خداوندی سے متصادم تھی۔ اقبال کے نزدیک خدا محض کوئی فلسفیانہ یا تصوراتی ہستی نہیں، بلکہ وہ اپنی تمام تر صفات، جلال و جمال، اور واحدانیت کے ساتھ ایک کامل و مطلق حقیقت ہے—ایسی ہستی جس کے ساتھ کسی اور کے وجود کا تصور بھی محال ہے۔ اسی بنیاد پر ان کی شاعری میں توحید کی وہ روشنی جھلکتی ہے جو نہ صرف ان کے فکری نظام کو جِلا بخشتی ہے بلکہ روحانی دنیا کو بھی منور کرتی ہے۔ بقول انیلہ محمود:

> "اقبال کی نظر میں خدا اپنی تمام صفات اور جلال کے ساتھ یکتائی کی منزل پر ہے۔ جہاں اس کے ساتھ کسی کی موجودگی کا گمان بھی محال ہے۔ یہی مضبوط نظریات اور عقائد اقبال کی شاعری کو مہمیز مہیا کرتے ہیں اور ان کی شاعری توحید کی صداقت اور پاکیزگی کا آئینہ بن جاتی ہے۔ اقبال ذاتِ باری تعالیٰ کو فلسفوں میں نہیں بلکہ دل کے نہاں خانوں میں موجزن پاتا ہے، اُسے باطن کی آنکھ سے دیکھتا ہے، اسے شعور کی کسوٹی پر پرکھتا ہے اور یہی مکمل ایمان اور ادراک ہی اقبال کے نظریۂ توحید کو غیر متزلزل بنا دیتا ہے۔"[4]

اقبال کا خدا دل کی گہرائیوں میں محسوس ہونے والی وہ جلوہ گاہ ہے جہاں عقل سر جھکا دیتی ہے اور شعور خاموش ہو جاتا ہے۔ وہ ذاتِ الٰہی کو محض عقل کی بحث میں نہیں، بلکہ دل کی آنکھ سے دیکھتے ہیں، اور اسی باطنی شعور اور ایمانی کیفیت سے ان کا نظریۂ توحید ایک غیر متزلزل صداقت بن کر ابھرتا ہے۔ ان کے نزدیک خدا کے وجود پر بحث کرنا یا اسے کسی فلسفے یا تصوف کے دبیز پردوں میں چھپانے کی کوشش کرنا محض روحانی انحطاط ہے، کیونکہ اقبال کا ایمان ہے کہ سچا یقین شک و شبہ کی آمیزش سے پاک ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ جب یقین کامل ہو جائے تو دلیل کی حاجت باقی نہیں رہتی۔

علامہ اقبال کے فکری نظام میں تصورِ توحید محض ایک نظریاتی یا مابعد الطبیعیاتی بحث نہیں، بلکہ یہ ایک زندہ، فعال اور انقلابی قوت ہے جس نے ان کی شاعری کی روح، اس کے موضوعات، لہجے اور مقصدیت کو مکمل طور پر متشکل کیا ہے۔ یہ اثرات اتنے گہرے اور وسیع ہیں کہ اقبال کے کلام کو توحید کے منشور کی شاعرانہ تفسیر قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ توحید کے اس فعال تصور نے سب سے پہلے فردِ واحد کی داخلی دنیا میں ایک انقلاب برپا کیا، جو اقبال کے فلسفۂ خودی کی اساس ہے۔ اقبال کے نزدیک جب انسان "لَااِلٰہَ" کہہ

کہ ہر غیر اللہ کا انکار کرتا ہے، تو وہ اپنے آپ کو تمام مصنوعی خداؤں، وہموں، خوفوں اور غلامی کی ہر شکل سے آزاد کر لیتا ہے۔ یہ نفی دراصل اثباتِ خودی کا پہلا زینہ ہے۔ اسی آزادی کے احساس سے اس کی اپنی پوشیدہ صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں اور وہ اپنی ذات کی قدر و قیمت سے آگاہ ہوتا ہے۔ توحید کے بغیر خودی کا تصور نامکمل اور بے معنی ہے۔ اقبال کے نزدیک خودی کا سارا راز اور اس کی نشو و نما کی ساری قوت کلمہ توحید ہی میں پوشیدہ ہے، جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الا اللہ
خودی ہے تیغ، فساں لا الٰہ الا اللہ (5)

اس شعر میں اقبال نے واضح کر دیا کہ خودی کی حقیقت کا سرچشمہ بھی توحید ہے اور خودی کی تلوار کو تیز کرنے والی سان بھی توحید ہی ہے۔ جب انسان کی خودی توحید کی بدولت مستحکم ہو جاتی ہے تو اس کے اندر سے ہر قسم کا خوف نکل جاتا ہے۔ موت کا ڈر، زمانے کا جبر، اور طاقتور کا استبداد اس کے لیے بے معنی ہو جاتے ہیں۔ یہ بے خوفی اسے ایک مردِ مومن کے درجے پر فائز کرتی ہے جو باطل کے سامنے سینہ سپر ہو جاتا ہے اور حق کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔ یہ وہی مقام ہے جہاں ایک سجدہ انسان کو ہزاروں سجدوں کی ذلت سے نجات دلا دیتا ہے۔ اقبال اس انقلابی تصور کی عظمت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات (6)

توحید کے اثرات فرد کی ذات سے نکل کر اجتماعی اور ملی زندگی پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک تصورِ توحید ہی وہ واحد بنیاد ہے جو مسلمانوں کو رنگ، نسل، زبان، اور جغرافیائی حدود سے بالاتر ہو کر ایک عالمگیر ملت کی شکل میں متحد کرتی ہے۔ یہ وہ طاقتور رسی ہے جو تمام مسلمانوں کو باہم مربوط رکھتی ہے اور ان کے انفرادی مفادات کو اجتماعی مقاصد کے تابع کرتی ہے۔ جب قوم توحید کے نظریے پر کاربند ہوتی ہے تو اس میں وہ قوت اور جبروت پیدا ہوتا ہے جو اسے دنیا کی امامت کے منصب پر فائز کر سکتا ہے۔ توحید کی یہی مرکزیت امتِ مسلمہ کی بقا اور اس کے اتحاد کی ضمانت ہے۔ اقبال کے نزدیک مسلمانوں کے دل چاہے الگ الگ خیموں میں ہوں، لیکن توحید کی بدولت وہ ایک ہی رہتے ہیں۔ وہ اس عالمگیر اخوت کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

اہلِ حق را حجت و دعویٰ یکی است
خیمہ ہائے ما جدا، دلہا یکے است (7)

اس ملی اتحاد کا اثر اقبال کی شاعری میں سیاسی اور تہذیبی سطح پر بھی نمایاں ہوتا ہے۔ وہ توحید کو مسلمانوں کی سیاسی قوت کا سرچشمہ اور ان کی تہذیب کی امتیازی شناخت قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک مسلمان کی اصل طاقت اس کا عقیدہ ہے اور اس کا وطن کوئی جغرافیائی خطہ نہیں بلکہ اسلام خود ہے۔ یہ تصور انہیں مغربی قومیت کے بت کو توڑنے کی ترغیب دیتا ہے، جسے وہ ملتِ اسلامیہ کے لیے ایک مہلک فتنہ سمجھتے ہیں۔ ان کی شاعری مسلمانوں کو بار بار یاد دلاتی ہے کہ ان کی اصل قوت بازو توحید ہی سے مضبوط ہے:

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفوی ہے (8)

علاوہ ازیں، اقبال کی شاعری پر توحید کا ایک اہم اثر یہ بھی ہے کہ وہ اس عقیدے میں کسی بھی قسم کی ملاوٹ، کجی یا شرک کی آمیزش کے شدید مخالف نظر آتے ہیں۔ وہ تصوف کے ان نظریات پر کڑی تنقید کرتے ہیں جو عجمی اثرات کے تحت توحید کی خالص شکل کو دھندلا دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ ہر اس فکر اور عمل کو رد کرتے ہیں جو خدا کی حاکمیت کے ساتھ کسی اور کی حاکمیت کو شریک کرتا ہو، خواہ وہ پیر پرستی ہو، قبر پرستی ہو یا مادہ پرستی۔ ان کی شاعری ایک مسلسل اذان ہے جو مسلمانوں کو اپنے عقائد کی تطہیر اور خالص توحید کی طرف لوٹنے کی دعوت دیتی ہے۔ وہ اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ جس توحید نے کبھی مسلمانوں میں زندہ قوت پیدا کی تھی، وہ آج محض ایک خشک علمی اور کلامی مسئلہ بن کر رہ گئی ہے:

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی

آج کیا ہے ؟ فقط اک مسئلۂ علمِ کلام (9)

علامہ اقبال کے کلام میں تصورِ توحید ایک جامد عقیدہ نہیں بلکہ ایک متحرک اور زندگی بخش اصول کے طور پر جلوہ گر ہے۔ یہ ان کی فکر کا نقطۂ آغاز بھی ہے اور منتہا بھی۔ اسی سے فرد کی خودی کو جلا ملتی ہے، اسی سے ملت میں اتحاد اور قوت پیدا ہوتی ہے، اور اسی سے ایک آفاقی اور انقلابی تہذیب کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ ان کی پوری شاعری اسی نغمۂ توحید کی بازگشت ہے، جس کا مقصد ایک ایسی دنیا کا قیام ہے جہاں انسان ہر قسم کی غلامی سے آزاد ہو کر صرف خدائے واحد کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے۔ بقول طالب حسین اشرف:

"علامہ اقبال توحید کو ایک زندہ قوت سمجھتے ہیں جس کے بغیر مسلمان اپنا بلند ترین مقام حاصل نہیں کر سکتے۔ لاحاصل مباحث میں وقت اور قوت ضائع کرتے ہیں اور اس زبردست قوت سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔"(10)

علامہ اقبال کے نزدیک توحید محض ایک فلسفیانہ تصور یا مذہبی عقیدہ نہیں، بلکہ ایک زندہ، متحرک اور انقلابی قوت ہے جو فردِ مسلم کو اس کی اصل شناخت اور امتِ مسلمہ کو اس کے اعلیٰ مقام تک پہنچا سکتی ہے۔ اقبال کی نظر میں توحید وہ روحانی توانائی ہے جو اگر فرد کے کردار میں جذب ہو جائے تو اسے زمانے کی قیادت کے قابل بنا دیتی ہے، لیکن بدقسمتی سے مسلمان آج اس عظیم نظریے کو محض بحث و مباحثے کی حد تک محدود کر چکے ہیں، اور اس کی عملی قوت سے محروم ہو چکے ہیں۔ یعنی وہ توحید جو کبھی دنیا کو لرزا دینے والی عملی طاقت تھی، آج صرف علمی مناظروں اور خشک بحثوں کا موضوع بن کر رہ گئی ہے۔ اگر مسلمان کے کردار میں عمل کی روشنی نہ ہو تو وہی توحید جس سے جہان روشن ہوتے تھے، بے اثر ہو جاتی ہے:

روشن اس ضو سے اگر ظلمت کردار نہ ہو

خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام (11)

اقبال ایک سپہ سالار سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

میں نے اے میر سپہ! تری سپہ دیکھی ہے!

"قُلْ ھُوَ اللّٰہُ" کی شمشیر سے خالی ہے نیام (12)

یعنی آج کے لشکر میں وہ روحانی تلوار غائب ہو چکی ہے جو "قل ہو اللہ" کی صدا سے لبریز تھی، جو توحید کی قوت سے لبریز ہو کر باطل کے مقابلے میں سینہ سپر ہوا کرتی تھی۔ اقبال کا اصرار ہے کہ توحید کو محض زبانی دعوؤں اور عقلی موشگافیوں سے نہیں بچایا جا سکتا۔ اس کی حفاظت اور فروغ کے لیے عملی قوت، جرات اور مردانگی درکار ہے:

وحدت کی حفاظت نہیں بے قوتِ بازو
آتی نہیں کچھ کام یہاں عقلِ خداداد (13)

اقبال کا پیغام دوٹوک ہے کہ اگر توحید کو زندہ رکھنا ہے تو زندہ کردار، قوتِ عمل اور حوصلۂ ایمانی کی ضرورت ہے، وگرنہ امت اپنی اصل سے محروم ہو کر صرف ماضی کی داستان بن کر رہ جائے گی۔

علامہ اقبال کی شاعری پر تصورِ توحید کے اثرات محض انفرادی خودی کی بیداری یا ملّی اتحاد کے نظریات تک محدود نہیں، بلکہ یہ تصور ایک ایسے ہمہ گیر اور فعال ورلڈ ویو (Worldview) کو جنم دیتا ہے جس نے ان کے فلسفۂ حیات، تصورِ کائنات، نظریۂ عمل اور شعری جمالیات کی ہر جہت کو ایک نئی معنویت اور گہرائی عطا کی ہے۔ توحید کا عقیدہ ان کے نزدیک کائنات کو ایک بامقصد، منظم اور مربوط اکائی کے طور پر پیش کرتا ہے، جو کسی اندھے اتفاق یا بے مقصد حادثے کا نتیجہ نہیں۔ یہ کائنات ایک "کتابِ مبین" ہے جس کا مطالعہ اور اس کے اسرار کی تسخیر دراصل خالق کی نشانیوں کو سمجھنے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا، توحید کا اثر یہ ہوا کہ اقبال نے علم، سائنس اور تفکر کو عبادت کا درجہ دیا۔ ان کے نزدیک فطرت کا مشاہدہ (Observation) اور اس کے قوانین کو مسخر کرنا محض ایک مادی عمل نہیں بلکہ ایک روحانی تجربہ ہے جو انسان کو خدا کے قریب لاتا ہے۔ اس تصور نے ان کے کلام میں جامد تقدیر پرستی اور دنیا سے فرار کی سوچ کو رد کر کے ایک تحقیقی، تجربی اور سائنسی طرزِ فکر کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

اسی بامقصد کائنات کے تصور سے اقبال کے ہاں "فلسفۂ عمل" نے جنم لیا، جو توحید کا ایک براہِ راست اور منطقی نتیجہ ہے۔ اگر کائنات کا خالق ایک فعال (Active) ہستی ہے اور اس کی تخلیق مسلسل جاری و ساری ہے، تو اس کے نائب (خلیفہ) یعنی انسان کی زندگی کا مقصد بھی جمود، سکون یا بے عملی نہیں بلکہ مسلسل حرکت، جدوجہد اور تخلیق ہے۔ توحید پر ایمان انسان کو یہ احساس دلاتا ہے کہ وہ اس دنیا میں محض ایک تماشائی نہیں بلکہ ایک ذمہ دار کردار (Actor) ہے جس کے اعمال سے تقدیریں بنتی اور بگڑتی ہیں۔ ان کی شاعری کا ایک بڑا حصہ اسی عمل کی دعوت اور بے عملی پر تنقید سے عبارت ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ حیاتِ جاوداں کا راز بھی مسلسل تخلیقی عمل میں پوشیدہ ہے۔ ان کے نزدیک توحید انسان کو محض دعا اور عبادات تک محدود نہیں کرتی بلکہ اسے تسخیرِ کائنات کے عظیم معرکے کے لیے تیار کرتی ہے۔ وہ اس فلسفۂ عمل کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ ، نئے صبح و شام پیدا کر (14)

تصورِ توحید نے اقبال کی شعری جمالیات اور اسلوب کو بھی گہرائی سے متاثر کیا۔ ان کے کلام میں جو شکوہ، جلال اور ایک پیغمبرانہ آہنگ پایا جاتا ہے، اس کا ماخذ وہی ذاتِ واحد ہے جو قہار بھی ہے اور غفار بھی۔ توحید کی عظمت اور کبریائی کا احساس ان کی شاعری کو محض غزل کی روایتی نزاکت اور لطافت تک محدود نہیں رہنے دیتا، بلکہ اسے ایک ایسی آفاقی وسعت اور قوت عطا کرتا ہے جس میں دریاؤں کے دل دہل جاتے ہیں اور پہاڑ لرز اٹھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی، توحید نے ان کے ہاں "فن برائے فن" کے نظریے کو

مسترد کر کے "فن برائے حیات" کے اصول کو قائم کیا۔ ان کے نزدیک شاعری محض جمالیاتی حظ کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک مقصد، ایک پیغام اور ایک مشن ہے۔ یہ ملت کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے، اس میں زندگی کی حرارت پیدا کرنے اور اسے اس کے حقیقی مقام کی یاد دلانے کا ایک ذریعہ ہے۔ ان کی شاعری کی مقصدیت براہِ راست توحید کے اس عقیدے سے جڑی ہے کہ ہر شے کا ایک مقصد ہے اور انسان کی سب سے بڑی ذمہ داری اس مقصد کی تکمیل ہے۔ بقول اقبال:

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا (15)

مزید بر آں، اقبال کے کلام میں انسانی عظمت اور شرفِ آدمیت کا تصور بھی توحید ہی کے چشمے سے پھوٹتا ہے۔ یہ ایک دلچسپ تضاد ہے کہ ایک خدا کے سامنے سر جھکانے کا عمل انسان کو باقی تمام جھوٹے خداؤں، انسانوں، اداروں اور طاقتوں کے سامنے جھکنے سے نجات دلا کر اسے حقیقی معنوں میں آزاد اور خود مختار بناتا ہے۔ یہ توحید ہی ہے جو انسان کو رنگ، نسل اور طبقے کی تفریق سے بلند کر کے اسے ایک عالمگیر انسانی برادری کا حصہ بناتی ہے اور اس کے اندر یہ شعور پیدا کرتی ہے کہ تمام انسان ایک ہی خالق کی مخلوق ہونے کے ناطے برابر ہیں۔ یہ تصور انسان کو محض ایک گناہگار یا بے بس مخلوق کے طور پر نہیں دیکھتا، بلکہ اسے "احسنِ تقویم" کا وہ شاہکار قرار دیتا ہے جسے اللہ نے اپنی خلافت اور امانت سونپی ہے۔ یہ امانت اور خلافت کا احساس انسان کو اپنی ذات اور اپنی صلاحیتوں پر اعتماد عطا کرتا ہے اور اسے پستی سے اٹھا کر بلندی کی طرف پرواز پر اکساتا ہے۔ یہ وہی مومن ہے جس کے متعلق اقبال کہتے ہیں:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں ، کارکشا ، کارساز (16)

علامہ محمد اقبال نے اپنے مشہور خطبات "تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ" میں توحید کو محض ایک روایتی عقیدے کے طور پر پیش نہیں کیا، بلکہ اسے ایک زندہ، متحرک (Dynamic) اور انقلابی فلسفے کے طور پر پیش کیا ہے جو فرد، معاشرے اور پوری کائنات کی تفہیم کے لیے ایک بنیادی کلید فراہم کرتا ہے۔ ان کے نزدیک توحید صرف خدا کی وحدانیت کا اقرار نہیں، بلکہ یہ ایک ایسا اصول ہے جو انسانی فکر، عمل اور تہذیب کی ہر سطح پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ اقبال خدا کی ذات کو ایک جامد اور غیر فعال وجود کے طور پر نہیں دیکھتے۔ وہ خدا کو "انائے مطلق" سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس طرح انسان ایک "انا" (Ego) یا شخصیت رکھتا ہے جو شعور، ارادہ اور تخلیقی قوت کی حامل ہے، اسی طرح خدا بھی ایک کامل، لامحدود اور خلاق "انا" ہے۔ یہ انائے مطلق کائنات کا خالق بھی ہے اور اس کے اندر جاری و ساری بھی ہے۔ یہ تصور خدا کو ایک غیر شخصی قوت (Impersonal Force) کے بجائے ایک زندہ، باشعور اور فعال شخصیت کے طور پر پیش کرتا ہے جس سے انسان ایک ذاتی اور گہرا تعلق قائم کر سکتا ہے۔

علامہ اقبال نے اسلامی تصورِ توحید کو نہ صرف مذہبی عقیدے کے طور پر بلکہ ایک معاشرتی اور سیاسی اصول کے طور پر پیش کیا ہے۔ ان کے مطابق توحید صرف خدا کی یکتائی کا اعلان نہیں بلکہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی بنیاد ہے۔ اس میں مساوات، آزادی، اجتماعیت اور روحانی ترقی کے اصول پوشیدہ ہیں۔ دیگر خطبات میں بھی توحید کا ذکر ملتا ہے، لیکن چھٹے خطبے میں اس کی فلسفیانہ اور عملی جہتوں پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے۔

توحید کے عقیدے نے اقبال کے فلسفۂ تاریخ کو ایک منفرد اخلاقی جہت عطا کی ہے۔ ان کے نزدیک تاریخ محض بادشاہوں کی فتوحات یا سلطنتوں کے عروج وزوال کا بے معنی سلسلہ نہیں، بلکہ یہ حق وباطل، توحید وشرک، اور ابراہیمی و آذری روایات کے مابین ایک مسلسل کشمکش کا نام ہے۔ اس نظریے کے تحت، تاریخ کا مطالعہ امتِ مسلمہ کے لیے ایک آئینہ بن جاتا ہے جس میں وہ اپنے ماضی کی روشنی میں اپنے حال کو سمجھ کر اپنے مستقبل کی تعمیر کر سکتی ہے۔ وہ اسلامی تاریخ کے کرداروں اور واقعات کو محض قصہ گوئی کے لیے استعمال نہیں کرتے، بلکہ انہیں زندہ علامات کے طور پر پیش کرتے ہیں جو آج بھی ملت کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ توحید کا یہ تاریخی شعور ہی ہے جو انہیں مایوسی اور قنوطیت سے بچاتا ہے اور وہ پرامید رہتے ہیں کہ اگر ملت اپنے مرکز یعنی توحید کی طرف لوٹ آئے تو تاریخ کا دھارا ایک بار پھر اس کے حق میں موڑا جا سکتا ہے۔

حاصلِ کلام:

علامہ اقبال کے فکری نظام میں تصورِ توحید محض ایک مذہبی عقیدہ نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر فکری اور روحانی اصول ہے، جو ان کی شاعری، فلسفۂ خودی، اور تصورِ انسانِ کامل کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اقبال نے توحید کو فرد اور ملت کی بیداری، خودی کی تکمیل، اور اسلامی وحدت کے احیاء کے لیے ایک محرک قوت کے طور پر پیش کیا۔ ان کے نزدیک توحید محض الوہیت کے وحدانی تصور تک محدود نہیں بلکہ ایک عملی و فکری نظام ہے جو انسان کو مادی و روحانی غلامی سے نجات دلا کر ایک فعال، خود شناس، اور باکردار انسان بناتا ہے۔ اقبال کی شاعری میں توحید نہ صرف دینی و فکری حریت کا پیغام دیتی ہے بلکہ سیاسی، سماجی، اور ثقافتی سطح پر بھی انقلابی شعور بیدار کرتی ہے۔ ان کے ہاں توحید کا تصور عمل، علم، محبت، آزادی اور وقارِ انسانی سے ہم آہنگ نظر آتا ہے۔ وہ توحید کو ہر فکری گوشے میں مرکزی حیثیت دیتے ہیں، چاہے وہ فلسفہ ہو یا شاعری، سیاست ہو یا روحانیت۔ یوں اقبال کا تصورِ توحید ایک ہمہ جہتی نظامِ فکر ہے جو فرد کو "خلیفۂ ارضی" کے منصب کے لائق بنانے کی سعی کرتا ہے۔ ان کا پیغام آج کے انسان کے لیے نہ صرف فکری رہنمائی فراہم کرتا ہے بلکہ روحانی ارتقاء اور اجتماعی بیداری کی راہیں بھی روشن کرتا ہے۔

All Rights Reserved © 2025 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

حوالہ جات وحواشی

1. ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، اقبال اور قرآن، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، 1977ء، ص 7

Dr. Ghulam Mustafa Khan, Iqbal Aur Quran, Idara Saqafat e Islamia, Lahore, 1977, P.7

2. علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو، مکتبہ امتیاز، لاہور، 1997ء، ص 177

Allama M. Iqbal, Kulyaat e Iqbal Urdu, Mktaba Imtiaz, Lahore, 1997, P.177

3. محمد حنیف شاہد، مفکرِ پاکستان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1982ء، ص 546

M. Hanif Shahid, Mufakkir Pakistan, Sang e Meel Publications, Lahore, 1982, P. 546

4. انیلہ محمود، علامہ اقبال کا تصورِ توحید، غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم فل اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، 2007ء، ص 84

Aneela Mahmood, Allama Iqbal ka Tasawur e Tuheed, Maqala M. Phill, AIOU, Islamabad, 2007, P.84

5. علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو، مکتبہ امتیاز، لاہور، 1997ء، ص 234

Allama M. Iqbal, Kulyaat e Iqbal Urdu, Mktaba Imtiaz, Lahore, 1997, P.234

6. ایضاً، ص 241

Ibid, P. 241

7. علامہ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1997ء، ص780

Allama M. Iqbal, Kulyaat e Iqbal Farsi, Sheikh Ghulam Ali & Sons, Lahore, 1997, P.177

8. علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو، ص89

Allama M. Iqbal, Kulyaat e Iqbal Urdu, , P.89

9. ایضاً، ص237

Ibid, P. 237

10. طالب حسین اشرف، مقالہ برائے ایم فل اُردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، 2003ء، ص69

Talib Hussain Ashraf, M.Phill Thesis, AIOU, Isalamabad, 2003, P. 69

11. علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال اُردو، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1973ء، ص487

Allama M. Iqbal, Kulyaat e Iqbal Urdu, P.487

12. ایضاً

Ibid

13. ایضاً، ص497

Ibid, P. 497

14. ایضاً، ص477

Ibid, P. 477

15. علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو، مکتبہ امتیاز، لاہور، 1997ء، ص88

Allama M. Iqbal, Kulyaat e Iqbal Urdu, Mktaba Imtiaz, Lahore, 1997, P.88

16. ایضاً، ص143

Ibid, P. 143